ڈاکٹر راشدہ قاضی

استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ گرلز کالج آف کامرس، ڈیرہ غازی خان

احمد ندیم قاسمی کے نسائی رویے

Dr. Rashida Qazi

Associate Professor, Govt Girls College of Commerce, Dera Ghazi Khan.

Feministic attitudes of Ahmad Nadeem Qasmi

Ahmad Nadeem Qasmi remained shining on the firmament of Urdu literature for about almost seventy five years. His active and rich literary life is multidimensional jewel which showered its light on Urdu literature from every angle. Besides proving himself versatile in different genere of literature, he kept his doors open for the seekers of kindness and inspiration. He guided them in every way with reference to literature, knowledge and sentiments. Different types of blames were laid upon him by different people with reference to this kindness and appreciation. There was a special attraction in his personality for the emerging poets and writers for whom he opened the new horizons through proper training and encouragement. His love for the emerging writers was matchless. Many women were also included in such writers. The present article is aimed at analyzing the diversity of his feministic attitudes.

Key words: *Shining, Firmament Literature, Multidimensional, Kindness, Inspiration, Appreciation.*

تقریباً پون صدی تک ادبی افق پر جگمگاتا احمد ندیم قاسمی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ان کی فعال اور بھرپور ادبی زندگی ایک ہشت پہلو نگینہ ہے۔ جو ہر زاویے سے اپنی روشنی سے ادب کو منور کرتا ہے۔ متنوع اصناف میں اپنی تخلیق صلاحیتوں کا لوہا منوانے کے ساتھ ساتھ اپنی شفقت اور عرفان و آگہی کے دروازے پر دستک دینے والوں کا ہمیشہ پرتپاک خیر مقدم کیا۔ انہوں نے ادبی، علمی اور جذباتی ہر حوالے سے رہنمائی اور شفقت دی کرم فرماؤں نے ان کی اس شفقت کے حوالے سے ان پر طرح طرح کے الزام لگائے۔ مگر یہ باب پدر ہمیشہ کھلا رہا ہے۔ "انہوں نے ابھرتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں کو ایک ان دیکھی قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچا اور ان کی مناسب تربیت اور حوصلہ افزائی سے ادب میں ان کے لیے ترقی کی راہیں کھول دیں"(۱)

احمد ندیم قاسمی نے نئے ابھرتے قلمکاروں کے فن کی تربیت کا ذمہ جس محبت سے لیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن مادہ پرستوں کی دنیا میں ان کے کردار تک پہ کئی انگلیاں اٹھیں۔ امجد اسلام امجد کی فکری تربیت کسی کو یاد نہ رہی خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور پروین شاکر اور منصورہ احمد تک کم ظرف لوگوں نے پھبتیاں کسیں۔ جبکہ وہ خدیجہ مستور کے ماموں سر ہاجرہ مسرور کے لالہ۔ پروین شاکر کے عمو جان اور منصورہ احمد کے بابا بن کر ان پر آگہی کے در وا کرتے رہے۔ جبکہ ان کے قریبی لوگ بھی دوستوں کی محافل میں ان کی منہ بولی بہنوں اور بیٹیوں کے حوالے سے ان کا مذاق اڑاتے اور مغرب کے جدید جنسی تصورات سے سطحی شناسائی کے پیش نظر ندیم کی شخصیت میں نفسیاتی الجھنوں کے سراغ پاتے۔ جبکہ ندیم اپنی روش پہ قائم رہے وہ اس ماحول کے پروردہ تھے جہاں گاؤں کی بہنیں اور بیٹیاں سب کی بہنیں اور بیٹیاں سب کی بہنیں اور بیٹیاں ہوا کرتی تھیں ان کی پختہ تربیت نے شہر کی چکا چوند میں بھی جھول نہ کھایا وہ اپنے اصولوں اور اقدار کی روشنی میں رواں دواں رہے اس ضمن میں ن م۔ راشد اور احمد ندیم قاسمی کا مکالمہ لائق توجہ ہے۔" جس زمانے میں ندیم اور میں ریڈیو سٹیشن پشاور میں یکجا ہوئے یہ انہی دنوں کی بات ہے ایک دن میں میرے دفتر میں آئے اور کہنے لگے کہ ریڈیو پر نسوانی آوازوں کی کمی ہے۔ چند خواتین کو سامنے لائیے اس زمانے میں ان کے یہاں ہاجرہ مسرور اور خدیجہ منور ٹھہری ہوئی تھیں میں نے کہا! خواتین میں کہاں سے پیدا کروں دو ذہین لڑکیاں تھیں انہیں آپ اغوا کئے بیٹھے ہیں میں کیا کروں؟ یہ فقرہ کہہ کر میں ہنسا، مگر قاسمی کے چہرے رنگ اڑ گیا وہ غصے سے کھڑے ہوگئے اور کمرے سے باہر چلے گئے پانچ منٹ بعد واپس آئے راشد صاحب! اگر آپ ن م راشد نہ ہوتے تو میں اتنے زور سے طمانچہ مارتا کہ آپ کے چہرہ بگڑ جاتا یہ کہہ کر جذبات سے کانپتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ (۲)

احمد ندیم قاسمی کو یہ شکایت پیدا ہوگئی تھی کہ "راشد صاحب نے میری منہ بولی بہنوں خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور کے بارے میں ایک نازیبا جملہ کہہ دیا۔" (۳)

جبکہ راشد صاحب کو بھی شکوہ تھا کہ "کسی مزیدار جملے کو سراہنے کا ایسا فقدان میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔" (۴)

جبکہ احمد ندیم قاسمی کا طنز و مزاح سے گہرا رشتہ رہا مگر وہ معیاری مزاح اور صحت مندانہ طنز کو ہی سراہتے تھے وہ یہ ہرگز برداشت نہ کر سکتے تھے کہ خواتین کو تضحیک کا نشانہ بنایا جائے یا ان سے وابستہ خواتین جو منہ بولے ہی سہی مگر مقدس رشتوں میں بندھی ہوئی تھیں انہیں طنز و تمسخر کا نشانہ بنایا جائے۔ احمد نیدم قاسمی کے نسائی رویوں کو سمجھنے کے لیے ان کی ابتدائی زندگی سے بھی مدد لی جاسکتی ہے احمد ندیم قاسمی کی زندگی میں آنے والی پہلی خاتون ان کی والدہ محترمہ ہیں جن کا نام غلام بیوی تھا وہ ایک مستعد چاک و چوبند اور عقابی نگاہ رکھنے والی خاتون تھیں انہوں نے شوہر کے حصے میں آئی ہوئی چند ایکٹر زمین سے جو اناج ملتا اسی سے گزرا اوقات کی ان کی کفایت شعاری مثالی تھی وہ اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرتی رہیں اور ان کی اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ مقام کے خواب سجاتی رہیں۔ اس قدر عزم و ہمت والی خاتون کے ہاتھوں پروان چڑھنے والے احمد ندیم قاسمی عورت کی عظمت کے قائل کیسے نہ ہوتے۔ ان کی زندگی میں دوسری آنے والی خاتون ان کی اپنی سگی بہن سعیدہ بانو ہیں جن کی ولادت ۱۹۰۸ء میں انگہ میں ہوئی۔ سعیدہ بانو نہایت شفیق اور مہربان خاتون خدیجہ مستور تھیں۔ ان کی شادی ۱۹۲۳ء میں

ہوئی۔ جن کے بطن سے نامور صحافی، ادیب اور خدیجہ مستور کے شوہر ظہیر بابر پیدا ہوئے۔ قاسمی صاحب کا اپنی بہن سے گہری محبت کا رشتہ تھا۔ وہ ان کی بے حد کمی محسوس کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کی اولاد کو بھی اپنی ذات کا حصہ سمجھا اور اپنی منہ بولی بہن خدیجہ مستور کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کروایا۔

۱۹۳۶ء میں قاسمی صاحب کی زندگی میں ایک خوبرو دوشیزہ آئی جس کا نام اور اپنے جذبے انہوں نے پردہ اخفا میں رکھے تاہم ان کی شاعری میں اس مہہ جبیں کا پیکر بھرتا رہا۔ اس محبت کا دوارنیہ مختصر رہا۔ مگر محبت کے جذبے کی گہرائی اور شدت اتنی زیادہ تھی کہ یہی جذبہ ان کی چاہت کی ڈھال بن گیا۔ وہ ہر حساس اور دردمند انسان کی طرح اپنی پہلی محبت کو فراموش نہ کرسکے۔ چنانچہ ان کی شاعری ان کی دھڑکنوں کی گواہ بن گئی۔ "گھڑی پہلی محبت کی عجب تھی ابھی تک یاد کے در پر کھڑی ہے۔"(۵)

اس کم مدتی محبت نے ان کی شاعری میں جذبے اور اظہار کی چاشنی گھلہ دی محمد طفیل لکھتے ہیں۔ " قاسمی دل پھینک نہ تھے نہ ہی ان کا دل جگہ جگہ پھدکنے کا عادی تھا انہوں نے اس خاتون سے ٹوٹ کر محبت کی۔"(۶)

احمد ندیم قاسمی کی منگنی اپنے خالہ زاد بھائی مولوی ضیا الدین کی صاحبزادی رابعہ بیگم سے ہوئی۔ جن کی پیدائش ۱۹۳۰ء ہے گویا یہ چوتھی خاتون ہیں جو ان کی حیات میں داخل ہوئیں۔ ۴جولائی ۱۹۴۸ء میں رابعہ بیگم ان کی ہمسفر بنیں۔ بقول ڈاکٹر ناہید قاسمی "رابعہ بہت خوبصورت لڑکی تھی اور عمر میں ندیم سے ۱۲ اسے ۱۳ برس چھوٹی تھی۔ اسے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے گاؤں میں ایسے سہولت نہ تھی۔ اپنے والد سے ہی گھر پر پڑھنا لکھنا سیکھا۔ اپنے منگیتر کے شعر و افسانے والے رسائل اس کا سرمایہ تھے اور اسے امید تھی کہ وہ بیاہ کے بعد ضرور تعلیم حاصل کرسکے گی۔ لیکن باوجوہ بیاہ کے بعد بھی اسے شوہر سے بہت دور گاؤن میں ندیم صاحب کی والدہ کے پاس رہنا پڑا۔ سال میں چند دن ہی رابعہ ندیم کے پاس لاہور آپاتی تھی یا ندیم انگہ چلے جاتے تھے۔"(۷)

قاسمی کی والدہ صاحب کی وفات کے بعد رابعہ ۱۹۶۲ء میں انگہ سے لاہور آئیں تو دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں تھیں ۔ رابعہ نے محدود آمدن میں سلیقہ و کفایت شعاری سے گھر کو گوشۂ عافیت بنادیا۔ دونوں کے مزاج الگ تھے تاہم دونوں نے بناہ کیا۔ ان ۴ خواتین کے بعد دو صاحبزادیاں ناہید قاسمی ۱۹۴۹ء اور نشاط قاسمی ۱۹۵۱ء میں ان کی زندگی میں خوشگوار اضافہ بنیں۔ عورت احمد ندیم قاسمی کی زندگی کا مثبت حوالہ رہی۔ ممتا نچھاور کرنے والی، دعاؤں کے سائے میں رکھنی بہن، وفادار بیوی، اور الڈا ٹھوانے والی بیٹیاں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں نسائی اثبات ملتا ہے۔ کئی ایسی خواتین جن سے قاسمی صاحب کا خون کا رشتہ نہ تھا مگر انہوں نے خون کے رشتوں سے بڑھ کر ان رشتوں کو نبھایا۔ خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور کا لالہ بن کر عمر بھر اس منہ بولے رشتے کی حقیقی معنوں میں لاج رکھی۔ ہاجرہ مسرور کا مضمون اس رشتے کی خوبصورتی کا منہ بولا ثبوت ہے۔" ہمارے اور لالہ کے اس تعلق کی ابتدا بڑے سرسری انداز سے اس وقت ہوئی جب میں نے اور خدیجہ نے اپنے افسانے "ادب لطیف" میں چھپنے کے لیے بھیجے تو "محترمہ ومکرمہ" اور محترمہ اور مکرم" کے درمیان رسمی اور کاروباری خطوط کا تبادلہ شروع ہوا۔ میں اپنی زندگی کے اس دور کی طرف مڑ کر دیکھتی ہوں۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ افسانہ نگاری ہماری

محدود زندگی پر رکھے ہوئے دکھوں کے گند میں ایک وزن تھی جس سے باہر کی تازہ ہوا کے جھونکے کتابوں رسالوں اور خطوط کی صورت میں آجاتے اور ہم ایک بے نام سی سرشاری محسوس کرتے ۔۔۔۔۔۔ ایک دن خدیجہ اور میں جلتی دوپہر میں آنے والے رسالوں میں غرق تھے کہ اچانک خدیجہ نے پوچھا ہاجرہ اگر کبھی اتنے بہت سے لکھنے والوں میں سے کسی سے اپنا دکھ سکھ کہنا پڑے تو کس سے کہو گی۔ اور یہ سمجھ کر کہ وہی کچھ سمجھا جائے گا جو تم نے کہا ہو گا۔ میں نے بے ساختہ کہا! لالہ[۸]
خدیجہ مستور نے اپنے اس ابتدائی تعلق کو مضبوط بنیادوں تک پہنچنے کے بارے میں سادگی، خلوص اور سچائی سے لکھا۔ "احمد ندیم قاسمی سے ۔۔۔۔۔۔۔ ان کے افسانوں میں عورت محترم ہے۔"

۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہم نے محترمی و مکرمی احمد ندیم قاسمی کو جو خط لکھے۔ تو "بھائی" کا لفظ بے ارادہ ہی ٹپک پڑا۔ کیسی عجیب، کیسی سنسنی خیز بات تھی کہ ہمارے اس محترم و مکرم بھائی نے اس لفظ کو اٹھا کر اپنے سینے میں محفوظ کر لیا اور جواب میں غالباً پہلی بار کسی لکھنے والے نے ہمیں بہن کے القاب سے یاد کیا۔ ہماری خط و کتابت کا یہ دور تین سال رہا۔ پھر جب اپنی بے دست و پائی سے نجات پانے کے لیے ہم نے باہر کی دنیا میں ہی چھلانگ لگائی تو سمجھ میں آیا کہ مردم گزیدہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟ انتہائی کرب کے عالم میں میں نے ندیم بھائی کو ایک خط لکھا اور اس میں اپنے سارے دکھ درد کی داستان بیان کر دی۔ لکھ لینے کے بعد میرے جذبات میں یوں ٹھہراؤ آ گیا جیسے سمندر کی لہروں سے لڑتے لڑتے ایک دم ساحل نے اپنے سینے کی نرمی اور گرمی بخش دی ہو۔ مگر بہت جلدی اپنی اس حرکت سے میں خوف زدہ ہو گئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ لفافہ تو ڈاک کے سپرد ہو چکا تھا۔ یہ کیفیت ابھی جوں کی توں تھی کہ چند دنوں میں لالہ کا ایک رجسٹرڈ لفافہ موصول ہوا۔۔۔۔ ان کے پہلے ہی خط نے اس رشتے کی پاکیزگی پر ہمارا اعتماد مستحکم کر دیا تھا۔ ابھی ہم لکھنؤ میں تھے کہ لالہ پشاور میں کہ منہ بولے بھائی بہن کے رشتے پر کسے جانے والے فقرے ہم تک پہنچنے لگے۔۔۔۔ ندیم لالہ کی فطرت کا یہ پہلو پون صدی سے زیادہ عرصے سے ہمارے کتنے ہی اہل قلم حضرات کی نجی محفلوں میں طنزیہ گفتگو کا موضوع بنا رہا ہے۔ اگر لالہ کسی عورت کو اغوا کر لیتے۔ کسی کو قتل کر دیتے یا ڈکیتی کی واردات میں ملوث ہوتے تو شاید یہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ حرکت قابل معافی ہوتی لیکن لالہ کے اکثر چیں نکتہ ان کے مزاج کی شائستگی کو قطعی غیر شاعرانہ بلکہ غیر انسانی سمجھتے تھے۔"[۹] یہاں تک کہ جب خدیجہ اور ہاجرہ کا خاندان لاہور پہنچا تو احمد ندیم قاسمی اپنی دلہن کے سنگ نسبت روڈ کے اسی مکان میں آباد ہوئے جو اس مہاجر خاندان کو الاٹ ہوا تھا۔ انہوں نے ۱۵ برس اس خاندان کے معزز فرد کی حیثیت سے اسی گھر میں گزرائے۔ "لالہ نسبت روڈ والے ہمارے گھر میں رہتے تھے تو کچھ مہربان پوچھتے تھے کہ یہ یہاں کیوں رہتے ہیں؟ اور جب وہ چلے گئے تو انہیں یہ کرید ہوئی کہ چلے کیوں گئے۔"[۱۰] لیکن ندیم نسبت روڈ والے ہمارے گھر چلے گئے مگر اسی طرح سربراہ کنبہ رہے۔ "ہمارے گھر کے ہر اہم فیصلے میں رابعہ بھابی بھی اسی طرح اور اسی احتیاط سے شامل ہوتی ہیں۔ جیسے سگی بھاوج کو ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ لالہ کی شفقت کے سائے میں اتنے بہت سے دن یوں گزارے ہیں جیسے یہ میرا پیدائشی حق ہو۔"[۱۱] افکار کے ندیم نمبر میں ہاجرہ مسرور کو مضمون "الہ اور جھوٹ" اور ندیم نمبر میں ان کا تنقیدی مضمون "ندیم کی عشقیہ شاعری میں عورت کا درجہ" جنسی تحریریں ان کے خاندانی اشتراک اور حب کا دلکش مطالعہ ہے۔ جبکہ ترقی پسندانہ سوچ کے جرم میں احمد علی ظہیر بابر اور قاسمی کی

اسیری کے حوالے سے خدیجہ مستور کا یہ خط گہری معنویت رکھتا ہے۔ "احمد علی اور ظہیر آ گئے مگر اس گھر کی رونقیں واپس نہ لا سکے اس رونق کے ذمہ دار تو تم ہو۔ یہ رونق کب آئے گی۔ اتنا طویل انتظار تو ناگوں کی طرح خوفناک ہے لالہ! تمہاری یاد چاند سے زیادہ روشن ہے اور ساری زندگی رہے گی "(۱۲) ندیم کی شخصیت کی روشنی محدود نہ تھی انہوں نے شفقت، محبت اور عرفان و پذیرائی کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء میں انہوں نے لاہور میں "تہذیب نسواں" کی ادارت سنبھالی۔ اور ملتان میں افسر آبکاری کی ملازمت سے نجات حاصل کی۔ یہ ملازمت ان کے مزاج کے برعکس تھی۔ مولانا سالک ساری صورتحال سے آگاہ تھے اور وہی ندیم کو تسلی و تشفی دیتے تھے۔ "آخر کار ایک خوشگوار صبح کو مجھے مولانا سالک کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ لاہور آ کر ہفت وار "تہذیب نسواں" اور ہفت وار "پھول" کی ادارت سنبھال لو میں مستعفی ہو کر ملتان سے بھاگا اور ۱۹۴۶ء میں دارالاشاعت پنجاب سے منسلک ہو گیا۔ "(۱۳) ۱۹۷۱ء میں ندیم اور پروین شاکر کی مراسلت شروع ہوئی جس کا اندراج ۱۹۷۱ء کے فنون میں موجود ہے اور اس کا جواز پروین کی نظمیں اور غزلیں تھیں جو وہ فنون کے لیے ارسال کرتیں اور نوعمر شاعرہ کی خوبصورت شاعری کو ندیم نے نکھار اور سراہا۔ پروین شاکر سے ندیم کی ملاقات کراچی میں "افکار" کے "ندیم نمبر" کی رونمائی میں ہوئی اور تفصیلی ملاقات ہاجرہ مسرور کے گھر کراچی میں ہوئی۔ اس رشتے کی گہرائی کا اندازہ پروین کی اس نظم سے لگایا جاسکتا ہے۔ "وہ سایہ دار شجر جو مجھ سے دور، بہت دور ہے، مگر اس کی لطیف چھاؤں سجل، نرم چاندنی کی طرح میرے وجود میری شخصیت پہ چھائی ہے وہ ماں کی بانہوں کی مانند، مہرباں شاخیں جو ہر عذاب میں مجھ کو سمیٹ لیتی ہیں۔ "(۱۴) وہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار اپنی ایک اور خوبصورت نظم میں بھی کرتی ہیں جس میں جذبے کی گہرائی اور عقیدت کا اظہار دلکش ہے۔ "وہ ایک جھونکا جو اس شہر گل سے آیا ہے۔ اب اس کے ساتھ بہت دور جا چکی ہوں میں ایک ننھی سے بچی ہوں اور خموشی سے بس اس کی انگلیاں تھامے، اور آنکھیں بند کئے جہاں جہاں لیے جاتا ہے جا رہی ہوں میں وہ ایک خوشبو، جو میرے وجود کے اندر، صداقتوں کی طرح زینہ زینہ اتری ہے، کرن کرن، میری سوچوں میں جگمگاتی ہے۔ (مجھے قبول کہ وجدان نہیں یہ چاند میرا، یہ روشنی مجھے ادراک دے رہی ہے مگر) وہ سایہ دار شجر جو دن میں میرے لیے ماں کی نرم آنچل ہے وہ رات میں میرے آنگن پہ ٹھہرنے وال شفیق نرم زباں، مہربان بادل ہے۔ "(۱۵) یہ جذبہ صرف پروین کی اکہری محبت نہ تھی بلکہ ندیم بھی اپنی اس بیٹی کے لیے لازوال محبت رکھتے تھے۔ "جب پروین کے والد گرامی سید شاکر حسین زیدی نے بیٹی کے بیاہ کا پروگرام بنایا تو بیٹی نے مجھے کراچی بلوا بھیجا۔ میں نے بیٹی کے گھر میں اس کے منگیتر سے ملاقات کی اور اپنے مثبت تاثر کا اظہار کیا۔ بیٹی نے فرمائش کی کہ شادی کا دعوتی کارڈ لاہور میں چھپے اور اس پر دعوت دینے والے صرف ایک شخص ------ احمد ندیم قاسمی کا نام درج ہو یہ بیٹی کی بے حد محبت کا اظہار تھا۔ مگر میں نے اس پر شدید احتجاج کیا اور جب بیٹی نے اصرار جاری رکھا تو مجھے غصے کا اظہار بھی کرنا پڑا اور آخر طے پایا کہ میرا نام بے شک درج ہو مگر بیٹی کے والد صاحب کے نام کے بعد درج ہو چنانچہ یہی طے ہوا۔ "(۱۶) اس خوبصورت اور مقدس رشتے پہ بھی پھبتیاں کی گئیں۔ ندیم کے متعلق یہ رائے عام ہونے لگی تھی کہ وہ جوانی میں خوبرو لڑکیوں کو بہن اور بڑھاپے میں بیٹی بنانے کا ہنر جانتے ہیں اور اپنی تشنۂ تکمیل آرزوؤں کی تکمیل ان پاکیزہ رشتوں کی آڑ میں کرتے ہیں۔ ندیم کے کردار پر گو انگلیاں اٹھتی رہیں مگر وہ سچائی کا دامن تھام کر رشتوں کو

پورے احترام اور محبت کے ساتھ نبھاتے رہے۔ انہوں نے لوگوں کی کم ظرفی کو نظر انداز کر کے رشتوں کا احترام کیا اور انہیں نبھایا۔ پروین شاکر کی حادثاتی وفات کا صدمہ انہوں نے اپنے احساس حواسوں پہ سہا اور پروین کا خاکہ بھی لکھا اور پروین کی ذات، اپنے رشتے، شعری سفر فن و شخصیت کا مثبت حوالہ پیش کر دیا۔ حبیب احمد ایڈووکیٹ کی بیٹی منصورہ احمد نے انہیں بابا کہا اور ۱۹۷۷ء سے لے کر آخری لمحوں تک یہ رشتہ نبھایا۔ منصورہ احمد نے بھی تکریم میں کمی نہ کی۔ لوگوں نے اس رشتے کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا مگر نہ ندیم کے احترام میں کمی آئی نہ ہی منسورہ کے لیے شفقت پدری بدلی۔ یاہں تک کہ دوام کا انتساب اس رشتے کا بھرپور اثبات ہے۔ اہل خانہ کے ساتھ ان کا طرز تپاک سرد جھونکوں گھنی گھٹاؤں سا ہے "(۱۷) منصورہ احمد کی خدمت اور محبت کی گواہی ایک خدائی دے سکتی ہے۔ فنون کی اس معاون مدیرہ نے زندگی احترام اور خدمت میں بھی معاونت کی۔ اور اساطیر بھی ان کے سایہ شفقت میں نکالیت رہیں۔ قاسمی صاحب کی وفات کے بعد منصورہ احمد نے اپنا مجلہ " مونتاج" نکالا۔ جس کا پہلا شمارہ ہی نذر ندیم تھا جس میں قاسمی صاحب کے فن اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی۔ انہی مضامین میں اکبر حمیدی کا مضمون "ندیم عصر" میں احمد ندیم قاسمی کے اس رویے پر کھل کر روشنی ڈالی گئی ہے۔"

"ندیم صاحب نے بعض معاملات اپنے زمانے کی اخلاق قدروں سے اتنے بلند اور اتنے مختلف اختیار کیے ہیں کہ لوگ انہیں تسلیم کرنے سے ہی منکر ہو گئے۔ ندیم صاحب نے محترمہ ہاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور کو بہن کہا اور پھر زندگی بھر ان سے سگے بھائیوں کی طرح حسن سلوک کرتے رہے۔ منصورہ احمد کی بیٹی بنایا تو بیٹیوں سے بڑھ کر منصور احمد کو تحفظ دیا عزت دی شفقت دی رفاقت دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگوں کی ہذیان گوئی کی کبھی پرواہ نہیں کی اور ہمیشہ زندگی کے مثبت روپے اور حسن ذخیر کے عمل جاری رکھے۔ آج کے زمانے میں یہ باتیں ہماری اخلاقیات سے اتنی بلند و بالا ہیں کہ ہمیں یقین ہی نہیں آتا کہ کوئی شخص اتنا بڑا بھی وہ سکتا ہے کہ دوسروں کے لیے اپنا دامن شفقت اس حد تک پھیلا دے جو حیران کن حد تک لائق ستائش اور لائق قابل تقلید ہے۔"[۱۸] جہاں احمد ندیم قاسمی نے اپنے تخلیقی اثاثے میں منصورہ احمد کی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کروایا وہاں خود منصورہ احمد نے بھی اپنی تخلیق طلوع کا انتساب اپنے بابا ہی کے نام کیا۔ "روشنی میں ڈھلے اپنے پیارے بابا احمد ندیم قاسمی کے نام، جنہوں نے انگلی پکڑ کر مجھ سے یہ کتاب لکھوائی ہے۔ میں ناہیں، سب نوں"[۱۹] طلوع میں ہی منصورہ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔ " اپنے "بابا" کے لیے۔ یہ کیسا اسم اعظم ہے یہ کسی خواب سی دنیا کا جادو ہے میرے بابا ہونٹوں پر "میری بیٹی" ابرتا ہے تو میرا سر فلک کو چھونے لگتا ہے سبھی کھوئی ہوئی گڑیاں، غبارے میری جھولی میں آگرتے ہیں سارے "کسی لوری سا یہ امرت میرے کانوں میں کھلتا ہے۔"

تو گزری عمر کے سب پل
بہت سے فاصلون پر چھوٹ جاتے ہیں
بس اک نازوں کی پالی لاڈلی بچی
بنا بچپن کی اس دنیا میں

بچپن اوڑھ لیتی ہے۔"(۲۰)

رشک ور قابت کے باوجود ندیم کا ادبی فیضان اور لوگوں سے محبت جاری رہی اور عقیدت مندوں کی ثناخوانی بھی جاری رہی۔ نامور افسانہ نگار اور ناول نگار خالدہ حسین نہ نظریاتی وابستگی رکھتی تھیں نہ ہی وہ ان کی منہ بولی بیٹی تھیں مگر یہ درویش کا ڈیرہ تھا جو ہر خاص وعام کے لیے ہر لمحہ وا تھا۔" ندیم وہ بلند و بالا مینار ہے جہاں سے محبت کی اذان بلند ہوتی ہے اور دکھی دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔"(۲۱) احمد ندیم قاسمی کے نسائی رویوں میں پاکیزگی، احترام، خلوص اور محبت ہے۔ انہوں نے اپنی مردانگی کو امتیازی نشان نہیں بنایا بلکہ اپنی ذات کے اثبات سے انہوں نے اک نسل کی آبیاری کی۔" ان کے چاہنے والوں، ان سے محبت کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ روز افزوں رہی ہے بڑے شاعر اور بڑے افسانہ نگار تو کئی اور بھی ہوتے ہیں مگر ندیم صاحب کی بڑائی یہ ہے کہ انہوں نے ایک مشفق استاد بلکہ ایک محبت کرنے والے باپ کی طرح علم وادب سے شغف رکھنے والی کئی نسلوں کی رہنمائی و سرپرستی کی ان کی حیثیت ایک سدا بہار چشمے کی تھی جہاں تشنگان علم آکر ستانے، اپنی پیاس بجھاتے اور ولولے کے ساتھ عازم سفر ہوتے تھے۔"(۲۲)

حوالہ جات

۱۔ حمید اختر، "زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے، نذر ندیم" (لاہور: مونتاج، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۵۸

۲۔ حمید اختر، کال کوٹھڑی سے، (لاہور: طبع دوم ۱۹۷۸ء) ص ۴۹۔

۳۔ ایضاً ص ۵۲۰

۴۔ ایضاً ص ۶۴۳

۵۔ عباس طوروی، احمد شاہ سے احمد ندیم قاسمی تک، (لاہور: پاکستان رائیٹرز کواپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء) ص ۹۷

۶۔ ایضاً ص ۹۷

۷۔ ڈاکٹر ناہید قاسمی، احمد ندیم قاسمی کی شخصیت و فن، (اسلام آباد: ادبیات، پاکستان، ۲۰۰۸ء) ص ۴۸

۸۔ ہاجرہ مسرور، مشمولہ ندیم نامہ، از محمد طفیل، بشیر موجد، (لاہور: باب فن، ۱۹۷۶ء)، ص ۶۳، ۶۵

۹۔ خدیجہ مستور، ماہنامہ نگار، کراچی، ندیم نمبر ۱۹۷۵ء صفحات ۹۴۵، ۹۴۵۶، ۹۴۳، ۹۴۴

۱۰۔ ہاجرہ مسرور، مشمولہ ندیم نامہ، از محمد طفیل، بشیر موجد، (لاہور: مجلس ارباب فن، ۱۹۷۶ء) ص ۲۷

۱۱۔ فتح محمد ملک نیدم شناسی، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص ۳۹

۱۲۔ ڈاکٹر راشدہ قاضی، اردو افسانوی ادب میں خدیجہ مستور کا مقام، (ادارہ فروغ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء) ص ۲۹۹

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی "میرے ہمسفر" (لاہور: اساطیر پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۶۵

۱۴۔ فتح محمد ملک، ندیم شناسی، ص ۴۰

۱۵۔ ایضاص ۴۱

۱۶۔ حمید اختر، کال کوٹھڑی، ص ۹

۱۷۔ اکبر حمیدی "ندیم عصر" ۔۔۔۔احمد ندیم قاسمی، مشمولہ سہ ماہی مونتاج، لاہور۔ ص ۳۲۲

۱۸۔ ایضاص ۳۰۰

۱۹۔ منصورہ احمد، "طلوع" (لاہور: اساطیر، ۱۹۹۷ء)

۲۰۔ ایضاً ص ۳۰۰

۲۱۔ عطاالحق قاسمی "قاسمی صاحب" مشمولہ، مٹی کا سمندر، ص ۱۰۷

۲۲۔ جمیل یوسف، احمد ندیم قاسمی، مشمولہ ماہنامہ، الحمرا، لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء جلد ۱۰، شمارہ ۷ ص ۲۰